© rasailojaraid.com

نام کتاب	:	لغاتِ قرآن اور عورت کی شخصیت
مصنف	:	خورشید عالم
صفحات	:	۵۶۰
ناشر	:	چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
قیمت	:	۸۵۰
سن اشاعت	:	۲۰۱۱ء
تبصرہ نگار	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج☆

خورشید عالم صاحب معاصر علمی دنیا کے لیے اجنبی نہیں ہیں ۔قبل ازیں ان کی کتاب '' چہرے کا پردہ واجب یا غیر واجب''[۱]، اور ایک کتابچہ '' عورت کی حکمرانی اور حضرت ابو بکرؓ کی روایت''[۲]، بھی شائع ہو چکا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب '' لغاتِ قرآن اور عورت کی شخصیت'' ان کی ایک مبسوط کتاب ہے۔ جس کا پیشِ لفظ ڈاکٹر شیر محمد زمان نے لکھا ہے۔ پیشِ لفظ کے ایک جملے سے خورشید عالم صاحب کا مختصر تعارف بہ آسانی ہو جاتا ہے۔ لکھتے ہیں۔'' برسوں پہلے پروفیسر خورشید عالم سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو مجھے اچنبھا ہوا کہ اس مسوّٹ، مبوّٹ، و منکّٹ (سوٹ بوٹ نکٹائی میں ملبوس) ''پہلوانِ رعنا'' کے اندر عربی و علومِ اسلامیہ کا ایک جیّد عالم پوشیدہ ہے۔'' (ص ۲۱)

پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) صفحات کی یہ کتاب اٹھائیس (۲۸) ابواب پر مشتمل ہے۔ اور بلاشبہ ہر باب کے اندر مصنف کا قرآنِ مجید سے گہرا تعلق اور تمسک نیز علمی وفکری رجحان و استدلال اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ جو اسے کتاب کے مرکزی ومحوری عنوان سے منسلک کیے ہوئے ہے۔ وگرنہ کہاں درج ذیل عناوینِ ابواب مثلاً طائفہ......عبد......فریق......قوم......اور ولی وغیرہ، جو بظاہر، مرکزی عنوان سے غیر متعلق

☆ ڈین کلیہ، معارفِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف کراچی، کراچی

۱- سن اشاعت، ۲۰۰۸ ، ناشر دارالتذکیر، رحمٰن مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ ، اردو بازار ، لاہور، صفحات ۴۱۲

۲- یہ کتابچہ مطبوعہ صورت میں مکتبۂ دانشوراں اردو بازار لاہور سے دستیاب ہے۔ (بحوالہ زیرِ تبصرہ کتاب ص ۳۷۸)

© rasailojaraid.com
© Dr Muhammad Hamidullah Library, IRI, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

© rasailojaraid.com

معلوم ہوتے ہیں۔ مگر مصنف نے ان سارے عناوین کو مرکزی عنوان کے تابع کر کے اپنی وسعتِ علمی کا ثبوت دیا ہے۔ خواتین کے تعلق سے بالعموم جو غلط نظریات و تصورات ہمارے معاشرے میں رچ بس گئے ہیں، یہ کتاب اس کے ازالے کی عمدہ کاوش ہے اور کتاب کا مقصدِ تحریر بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں خواتین کی انفرادی حیثیت کا مقدمہ بہت پُر جوش وکیل اور ترجمان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس لیے کہیں کہیں وہ جذبات کی رو میں بہہ کر مردوں کو بُرا بھلا بھی لکھ گئے ہیں۔ میرا خیال ہے خواتین کے حق میں دلائل دینے کے بعد مردوں کو محبت سے متوجہ کرنے کی کوشش ان کی تحریر کو زیادہ مؤثر اور پُرکشش بنا سکتی تھی۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ کتاب بھی اگر مصنف نے اپنی پچھلی کتاب ''پردہ واجب یا غیر واجب'' کی طرح، عبد الستار غوری صاحب جیسے ناقد کو دکھا دی ہوتی اور وہ اس پر نظرِ ثانی کر لیتے تو شاید راقم کو اس شکوے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

مصنف کے بقول:

> ''اس کتاب کا طرزِ تحقیق یہ ہے کہ اس میں ان تمام الفاظ کو حروفِ تہجّی کے اعتبار سے جمع کر دیا گیا ہے۔ جو قرآن حکیم میں صرف عورت، ماں، بہن، بیٹی، اور بیوی کے لیے وارد ہوئے ہیں۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ ماں ، بہن ، بیٹی کے لیے قرآن میں عربی زبان کی مانند صرف ایک ہی لفظ وارد ہوا ہے۔ جبکہ بیوی کے لیے اسمِ ذات امراۃٌ کے علاوہ چار صفاتی نام بھی وارد ہوئے ہیں۔ جن کو قرآن نے اسمِ ذات کی جگہ استعمال کیا ہے۔ مثلاً اہل (اہلیہ، گھر والی) حلیلہ (ایک ساتھ رہنے والی) زوج (جوڑا) صاحبہ (ساتھی) ......'' (ص ۲۸)

مصنف نے اپنے دیباچے میں یہ بھی لکھا ہے کہ'' ہر لفظ کی پہلے لغوی تشریح کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ تر انحصار احمد بن فارس بن زکریا (المتوفیٰ ۳۹۵ھ) کی معجم مقابیس اللغۃ اور امام راغب اصفہانی (متوفیٰ ۵۰۲ ھ) کی مفردات القرآن پر کیا گیا ہے۔'' اور ان دونوں کتابوں کی خصوصیت میں لکھا ہے کہ اول الذکر کتاب میں ہر لفظ کا مادہ بتایا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر مادّہ میں فلاں حروف مثلاً ہمزہ اور باء ہوں تو فلاں بنیادی معنیٰ ہوں گے اور مؤخر الذکر کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ قرآن مجید کا وہ واحد دستیاب مستند اور جامع لغت ہے، جس سے ابنِ حجر اور علامہ عینی جیسے شارحین استفادہ کرتے رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں مصنف نے جن دیگر لغات سے استفادہ کیا ہے، ان میں جوہری (متوفیٰ ۳۳۲ ھ) کی صحاح، ابنِ منظور (متوفیٰ ۶۳۰ ھ) کی لسان العرب، مجدد الدین فیروز آبادی (متوفیٰ ۷۲۹ ھ) کی القاموس المحیط، فیومی (متوفیٰ ۷۷۰ ھ) کی المصباح المنیر ، اور لین (Lane) کی Lexicon شامل ہیں۔ ان سات ماہرینِ لغات کے علاوہ مصنف نے ان علماء کی کتابوں کی طرف بھی رجوع کیا ہے، جو مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ لغت کے امام بھی تھے۔ مثلاً الفرّاء (متوفیٰ ۲۰۷ ھ) اور اخفش (متوفیٰ ۳۱۰ ھ) کی معانی القرآن، ابن قتیبہ دینوری (المتوفیٰ ۲۷۷ ھ) کی القرطین، امام محشری (متوفیٰ ۵۳۵ ھ) کی اساس البلاغۃ اور تفسیر کشاف، ابو حیان اندلسی (متوفیٰ ۷۴۵ ھ) کی البحر المحیط اور قاضی بیضاوی (متوفیٰ ۷۹۱ ھ) کی انوار التنزیل۔

مصنف نے قرآنی الفاظ کو سمجھنے کا ایک ماخذ خود قرآن حکیم کو قرار دیا ہے اور اس ضمن میں لکھا ہے کہ ''قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی خود تفسیر کرتا ہے۔ قرآن ایک مقام پر اگر اجمال ہے تو دوسرے پر تفصیل ہے۔ اگر ایک جگہ تعمیم ہے تو دوسری جگہ تخصیص ہے۔ اگر مختلف آیات میں استعمال ہونے والے ایک لفظ کو یکجا کر دیا جائے تو اس لفظ کے معانی خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔'' (ص ۳۱) اس سلسلے میں انہوں نے عربی تفاسیر کی کم و بیش تمام قدیم و جدید کتابوں سے استفادہ کا دعویٰ کیا ہے۔ (ص ۳۱) مگر ان کا یہ دعویٰ راقم کے نزدیک محلِ نظر ہے۔ کیونکہ ان کی کتاب میں عربی کی قدیم و جدید تفاسیر کا حوالہ چند کتابوں سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔ تاہم مصنف نے عربی تفسیروں کے ساتھ ساتھ اردو کی ان تفاسیر کی طرف بھی رجوع کیا ہے جن کے لکھنے والوں کا عربی ذوق مسلّم ہے۔ مثلاً مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا امین احسن اصلاحی، اور بیان القرآن کے مفسر مولانا محمد علی۔ (ص۳۱)

قرآن مجید کے بعد ایک اہم ماخذ حدیث ہے ۔ مصنف نے اس ماخذ سے بھی استفادہ کا دعویٰ کیا ہے مگر اس وضاحت کے ساتھ کہ :

> '' اہلِ تحقیق نے قرآن کے کسی لفظ کی تشریح کے لیے صرف اس روایت باللفظ پر اعتماد کیا ہے جس کی نسبت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو۔ روایت باللفظ کی تعداد روایت بالمعنیٰ کے مقابلے میں بہت ہی قلیل ہے۔ اگر تفسیری روایات مستند ہوتیں تو امام احمد بن حنبل کے پایہ کے محدث کو یہ کہنا نہ پڑتا ، ثلاثۃ لیس لھا اصل، التفسیر، الملاحم و المغازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(موضوعات: ملا علی قاری، ص ۸۵) یعنی تین قسم کی روایات بے بنیاد ہیں۔تفسیر، ملاحم، اور غزوات۔'' (ص ۳۱۔۳۲)

الفاظ کی تشریح کرتے وقت مصنف نے (بقول)'' خود امام راغب کی مفردات کے اصولِ منہج کی پیروی کی ہے۔ سب سے پہلے ہر لفظ کے جوہری معنیٰ متعین کیے ہیں۔ اور ان معانی کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے۔''(ص ۳۰)

معانی کی وضاحت میں مصنف نے عربی اشعار اور عربی محاوروں کو شاہدِ اوّل کے طور پر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب میں جا بجا عربی اشعار موجود ہیں۔ دیکھئے: ص:۴۵، ۴۷، ۸۱، ۸۶، ۱۳۵، ۱۶۰، ۱۸۱، ۱۹۶، ۲۳۹، ۲۴۷، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۸، ۳۴۳، ۳۸۸، ۳۸۹، ۴۱۱، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۴، ۴۷۰، ۴۹۹، ۵۰۳، ۵۱۴، ۵۲۵، ۵۲۸، ۵۳۴، ۵۴۳، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۵۴وغیرہ)مصنف نے مذکورہ بالا طرزِ تحقیق (یعنی قرآن مجید، احادیث طیبہ ، لغت، عربی اشعار، اور محاوروں کے استعمال)کو ہی اپنا اسلوب قرار دیا ہے۔

راقم کو مصنف کی اس بات سے صد فی صد اتفاق ہے کہ'' عربی کے بہت سے الفاظ (اردو زبان میں) اپنے اصل معانی سے مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔''(ص ۳۲) اس ضمن میں انہوں نے لفظ عورت کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ ان کا شکوہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ عیب، خلل اور شرم گاہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔مگر اردو زبان میں اسے خاتون کے لیے اسمِ جنس کے طور پر اختیار کر لیا گیا ہے۔ (ص ۳۲) مگر اس تحقیق کے باوجود وہ خود اپنی تحقیق پر عمل نہیں کر سکے۔ پوری کتاب میں وہ خواتین کو عورت ہی لکھتے رہے حالانکہ اپنی تحقیق کی روشنی میں انہیں اس لفظ سے اجتناب کرنا چاہیئے تھا۔

مصنف نے جہاں مذکورہ بالا ماہرینِ لغت اور علمائے تفسیر کے ناموں کا کشادہ دلی سے ذکر کیا ہے۔ جن سے اس کتاب میں کم یا زیادہ استشہاد یا استفادہ کیا گیا ہے۔وہیں کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے بعض دیگر علماء و مشاہیر سے بھی براہِ راست استفادہ کیا ہے۔ جیسے مفتی محمد عبدہ، (ص۳۱،۹۱،۲،۴۷۲، ۵۴۹،۵۵۵) ابن رشد (ص ۹۷)شاہ ولی اللہ دہلوی (ص ۱۵۰) ناصر البانی (ص۱۲۱) علامہ رشید رضا (ص ۴۲، ۱۷۰، ۲۷۹،۲۸۹،۴۴۷،۴۹۹،) مولانا تھانوی (ص ۲۱۶، ۲۱۸،۲۱۹) ابن تیمیہ (ص۳۰۲) عبد الکریم الخطیب (ص ۲۱۶،۳۰۶،۳۲۶) حفظ الرحمٰن سیو ہاروی (ص۲۲۳) ازہری (ص ۲۹۷) عبد اللہ یوسف علی (ص ۳۰۶،۳۲۹) عبد الماجد دریا بادی (ص ۳۹۴،۴۵۱) عباس محمود العقاد(ص ۳۹۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابنِ قیم (ص ۹۶،۴۰۶) سید قطب (ص ۴۷،۷۷،۱۲۱) عبد الحیٔ کتانی (ص ۹۶) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ص۱۰۳) وغیرہ۔

علاوہ ازیں جن کتابوں کے حوالوں سے کتاب کو مزین کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض کے اسماء درج ذیل ہیں۔(واضح رہے کہ یہ وہ کتابیں ہیں، جن سے راقم کو مصنف کے براہِ راست استفادہ کا تأثر ملا ہے) (واللّٰہ اعلم بالصواب) مثلاً **المعجم الوسیط** (ص ۲۶۱، ۲۷۷،۳۸۳) فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۱۵ (ص ۹۸) تفسیر المراغی (ص ۲۱۶،۳۵۷) کتاب التسہیل (ص ۴۸۸) انسائیکلوپیڈیا آف ایتھکس، جلد ۳، (ص ۶۷) مغنی اللبیب (ص ۱۹۲)امام ابن حزم اندلسی (ص ۹۵۔۱۷۔۹۳) مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ (ص۱۹۲) وغیرہ۔

........................(۲)........................

اس تمہید کے بعد مصنف کی قرآن فہمی کے چند نظائر پیشِ خدمت ہیں:

- مصنف نے قصاص کے مسئلہ پر ’’الحر بالحر‘‘ کی نہایت عمدہ وضاحت کرتے ہوئے آیت کی تفسیر میں دو نقطہٗ ہائے نظر بیان کیے ہیں۔ اور اپنا مختار بایں الفاظ بیان کیا ہے۔’’امام ابو حنیفہ، عورت کے بدلے مرد اور ذمّی کے بدلے مسلمان کا قتل جائز گردانتے ہیں اور یہی مذہب درست معلوم ہوتا ہے۔‘‘(ص ۱۶۸)
- اہل البیت کے معنی کی بحث بھی قابلِ توجہ ہے۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ قرآن حکیم میں اہل البیت کی ترکیب تین مقامات پر استعمال ہوئی ہے اور تینوں مقامات پر اس کے معنیٰ زوجہ کے ہیں۔ (ص ۱۹۴) اس طرح مصنف نے اہل البیت کے عام معنیٰ سے ہٹ کر اس کی تفہیم کی ہے اور اسے قرآنِ حکیم کی روشنی میں بیان کیا ہے۔
- حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کے تعلق سے بھی مصنف کا استدلال صحیح اور معقول نظر آتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ’’اکثر مفسرین نے یہاں بنات (بیٹیوں) کو مجازی معنوں میں لیا ہے۔ کیونکہ نبی اپنی اُمت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ اور اس کی بیوی ماں کا درجہ رکھتی ہے......اس لیے ساری قوم کی عورتیں اس کی بیٹیاں کہلاتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔ رنتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور زعورا اور دو کے لیے جمع کا صیغہ بنات استعمال نہیں ہوتا۔دو بیٹیاں
تو قوم کے انبوہِ کثیر کے لیے کافی نہ تھیں۔'' (ص ۲۵۵)

اس لیے جن لوگوں نے بنات کا لفظ حقیقی معنوں میں سمجھا ہے، وہ درست نظر نہیں آتا۔

o ...... مصنف کے ہاں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۰ کی تفہیم دو طریقوں سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ کوئی مومن عورت اگر اپنا وجود، نبی علیہ السلام کے حوالے کر دے اور دوئم یہ کہ کوئی مومن اگر اپنے وجود کا فیصلہ نبی کے حوالے کر دے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں: ''روایت یہ بھی ہے کہ اس عورت نے شادی کے لیے آپ کو اپنا سرپرست بنا لیا کہ وہ جس سے چاہیں، شادی کر دیں (ص ۲۵۹) واضح رہے کہ قرآنی لفظ ''**یستنکحھا**'' کا ترجمہ خود نکاح کرنا نہیں ہوتا بلکہ نکاح کروانا یا نکاح کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ قرآنی لفظ کے پیشِ نظر، مذکورہ بالا روایت ازروئے درایت سو فیصد درست نظر آتی ہے۔ [(**یستنکحھا**) کے تعلق سے ملاحظہ ہو، راقم کا مضمون جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ (مئی ۲۰۱۲ء) میں شاملِ اشاعت ہے۔]

o...... سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۲۲ میں حیض کے تعلق سے لفظ اذیٰ آیا ہے۔ مصنف نے اس لفظ کا مفہوم عمدہ طریق پر بیان کیا ہے۔ لکھا ہے: ''آیت میں لفظ اذیٰ سے مراد وہ ضرر ہے جو ماہواری کے ایّام میں جنسی ملاپ سے لاحق ہوتا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ ماہواری بذاتہٖ ضرر رساں ہے یا ایک عیب ہے۔ ممانعت کی علّت خون ہے۔ اس لیے خون بند ہونے کے بعد یہ پابندی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔'' (ص۴۵۲) راقم کے نزدیک مصنف کا آخری جملہ محلِ نظر ہے۔ قرآنی الفاظ کے مطابق فقط خون کا بند ہو جانا ہی صحبت کے جواز کے لیے کافی نہیں ہے۔ اگر یہی ہوتا تو **ولا تقربو ھن حتیٰ یطھرن** ۔ کے بعد **فاذا تطھرن** کے الفاظ نہ لائے جاتے۔ بلاشبہ **یطھرن** میں خون بند ہونے کا ذکر ہے۔ مگر صحبت کے لیے **تطھرن** کا لفظ اضافی طور پر لایا گیا ہے۔ جس میں عورت کے غسل کی طرف اشارہ ہے۔ اس ضمن میں امین احسن اصلاحیؒ رقمطراز ہیں۔

''آیت میں **طھر** اور **تطھر** دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ **طھر** کے معنیٰ تو
یہ ہیں کہ عورت کی ناپاکی کی حالت ختم ہو جائے اور خون آنا بند ہو جائے
اور **تطھر** کے معنی یہ ہیں کہ عورت نہا دھو کر پاکیزگی کی حالت میں
آجائے ۔ آیت میں عورت سے قربت کے لیے **طھر** کو شرط قرار دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ساتھ میں فرما دیا ہے کہ جب وہ پاکیزگی حاصل کر لیں تب ان کے پاس آؤ، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ چونکہ قربت کی ممانعت کی اصلی علّت خون ہے۔ اس وجہ سے اس کے انقطاع کے بعد یہ پابندی تو اٹھ جاتی ہے۔ لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب عورت نہا دھوکر پاکیزگی حاصل کر لے تب اس سے ملاقات کرو۔'' (۳)

والصاحبِ بالجنب (النسآء/۳۶) کا ترجمہ بالعموم لوگوں نے ''ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے ہوئے) شخص'' سے کیا ہے۔ (۴) مگر مصنف نے 'صاحب' کے اندر قاعدۂ تغلیب کے تحت صاحبہ کو بھی شامل کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔

'' آیت میں ہم نشین کے لیے الصاحب بالجنب کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جس کے لفظی معنیٰ پہلو کا ساتھی ہیں......صاحب البحر المحیط کے مطابق علی، عبد اللہ بن مسعود، ابراہیم النخعی اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا قول ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے، عبد بن حمید نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد عورت (امراۃ) ہے...... **صاحبِ بالجنب** کے معنوں میں ہر ساتھی داخل ہے، خواہ سفر کا ساتھی ہو یا نکاح کا ساتھی۔'' (ص ۳۴۶، ۳۴۷)

٥ ...... **قانتات** (النسآء/۳۴) کا ترجمہ فرماں بردار عورتوں سے کیا جاتا ہے۔ پھر فرمانبرداری کو شوہر کی اطاعت سے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مصنف کا استدلال ہے کہ :

'' بعض مفسرین نے اس آیت میں ''قانتات'' کا ترجمہ اپنے شوہروں کی فرمانبرداری سے کیا ہے اور وہ اس پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ نہ تو لغوی طور پر موزوں ہے نہ موقع اور محل کی مناسبت سے۔ قانتات قنوت سے اسمِ فاعل ہے ۔ یعنی ہمیشہ اطاعت کرنے والیاں، ہمیشہ کی اطاعت صرف

۳- **تدبرِ قرآن**، جلد اوّل ، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ص ۵۲۶، تفسیر زیرِ آیت۔

۴- **توضیح القرآن**، آسان ترجمہ قرآن، مفتی محمد تقی عثمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حق تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اس کی نافرمانی کر کے کسی کی، خواہ وہ والدین ہوں یا خاوند، اطاعت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیا خاوند کے اللہ کے نافرمان ہونے کی صورت میں بھی عورت اس کی فرمانبردار رہے گی؟ بالکل نہیں۔ (ص ۳۵۳) ......قرآن میں قانتین اور قانتات (۳۳:۳۵) کا لفظ ساتھ ساتھ آیا ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والے مرد اور عورتیں۔'' (ص ۳۵۴)

o ...... **فان کان لہ اخوۃ** (النسآء:۱۱) کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے۔ ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں (دیکھیے مولانا محمود حسن (اسیر مالٹا)، اور مفتی تقی عثمانی کے تراجم) یہ ٹکڑا آیتِ وراثت کا ہے۔ اس لیے یہاں اخوۃ کے لفظ پر علمی مباحث پائے جاتے ہیں۔ اس پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ اگر ایک بھائی ہو تو وہ ماں کا تیسرا حصہ پانے میں مانع نہیں ہوگا اور تین ہوں گے تو وہ ضرور مانع ہوں گے مگر دو کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اخوۃ چونکہ جمع ہے۔ اس لیے وہ اس میں داخل نہیں، اور بعض کے نزدیک وہ جمع کے حکم میں داخل ہیں۔ بہر حال راقم الحروف، ان علماء کے موقف سے متفق ہے، جو مسئلہ وراثت میں الفاظ کو وسیع معنیٰ پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ خود قرآن کریم نے ولد کے لفظ کو جمع مذکر مؤنث میں یکساں استعمال کیا ہے، اس لیے اب میں اگر باپ نہ ہو تو دادا مراد ہوگا۔ اُم میں اگر ماں نہ ہو تو دادی مراد ہوگی۔ اسی طرح اخوۃٌ کا لفظ ہے۔ جو اپنی معنوی وسعت کے ساتھ بھائی اور بہن دونوں کو شامل ہوگا۔ خواہ ایک ہوں یا زیادہ۔ اس سلسلے میں مصنف نے لکھا ہے۔'' قرآن کے مفردات اور افعال اگر قرینے کے بغیر ہوں تو ان کا اطلاق تذکیر و تانیث کی تمیز کے بغیر دونوں پر ہوتا ہے اور ترجمہ کرتے وقت اس پہلو کو پیشِ نظر رکھنا ہی ازبس ضروری ہے۔'' (ص ۳۶)

اس وضاحت کے بعد **فان کان لہ اخوۃٌ** کا صحیح اور جامع ترجمہ یہ ہوگا۔'' اگر اس میت کے بہن بھائی ہوں'' اور یہ وہ ترجمہ ہے، جو مصنف نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور اس ترجمہ کی تائید دیگر معروف مترجمین قرآن سے بھی ہوتی ہے۔ [۵]

۵- دیکھیے مولانا احمد رضا خان بریلویؒ ، مولانا ابو الکلام آزادؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ ، مولانا غلام رسول سعیدی، اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تراجم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

o ...... یہیں سے اس آیت کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے۔ **ایحب احد کم ان یا کل لحم اخیه میتاً** (الحجرات/۱۲)

اس کا ترجمہ مصنف نے ان الفاظ میں کیا ہے۔'' کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی یا مردہ بہن کا گوشت کھائے؟'' ......بلاشبہ یہ ایک صحیح اور قرآن کا مطلوب ترجمہ ہے، کیونکہ آیت میں لفظ اخ کا اطلاق بہن بھائی دونوں پر ہوتا ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ ایک منفرد ترجمہ ہے، جو کیا گیا ہے۔

o ...... سورۂ زخرف کی آیت نمبر ۱۷-۱۸ ہے۔ **واذا بشر احدهم بما ضرب للرحمٰن مثلا ظلّ و جهه مسودا و هو كظيم او من ينشؤ ا فى الحلية وهو فى الخصام غير مبين۔**

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس کا ترجمہ بایں الفاظ ادا کیا ہے:

> '' حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس (کے گھر میں بیٹی کی پیدائش) کی خبر دی جاتی ہے، جسے انہوں نے (خدائے) رحمان کی شبیہ بنا رکھا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم و غصہ سے بھر جاتا ہے۔ اور کیا (اللہ اپنے امور میں شراکت و معاونت کے لیے اسے اولاد بنائے گا) جو زیور و زینت میں پرورش پائے اور (نرمئ طبع اور شرم و حیاء کے باعث) جھگڑے میں واضح (رائے کا اظہار کرنے والی بھی) نہ ہو۔''

اس آیت کے تعلق سے مصنفِ کتاب نے لکھا ہے۔'' یہاں اس مفروضے کی طرف توجہ دلانا بے محل نہ ہوگا جس کو مرد کی فضیلت کے گن گانے والوں نے عام طور پر اور اپنے مفسرینِ کرام نے خاص طور پر بیان کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عورت بے زبان ہے اور اپنا مافی الضمیر بیان کرنے پر قدرت نہیں رکھتی، زیرِ نظر آیت اس مفروضے کی نفی کرتی ہے۔ (ص ۱۴۳)

ذرا آگے چل کر لکھا ہے:

'' جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے فرمایا ہے۔ یہ اس احساس کی تعبیر ہے، جو لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر مشرکین کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ یعنی وہ اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ کیا وہ وجود میں آئی ہے، جو زیور میں پلتی بڑھتی ہے اور بحث مباحثہ میں بے زبان ہے۔ چنانچہ عورت پر یہ تبصرہ اللہ کی طرف سے نہیں، بلکہ اہلِ عرب کی طرف سے ہے، دوسری اہم بات یہ ہے کہ ینشؤُا مجہول کے صیغہ کے ساتھ استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نشو و نما اور ترتیب اس طرح سے کی جاتی ہے۔نشو و نما کرنے والے اور تربیت دینے والے زمانۂ جاہلیت کے عرب ہیں۔ مراد یہ ہے، یہ اس کی فطرت نہیں، بلکہ زمانۂ جاہلیت کی تربیت کا اثر ہے۔ (ص ۱۴۳)

........................(۳)........................

مصنف کے ہاں بعض الفاظ کی وضاحت اتنی تفصیل سے کی گئی ہے کہ اس پر تفسیر کا گمان ہونے لگتا ہے۔ وہ وضاحتیں ان مباحث پر مشتمل ہیں، جن پر بعض فاش غلط فہمیوں کے ازالے کی سخت ضرورت بھی تھی۔ مصنف ان مقامات سے بحسن وخوبی عہدہ برا ہوا ہے۔ مثلاً **نفسِ واحدہ** اور **خلق منھا زوجھا** کی بحث ۔(دیکھئے: ص ۳۱۲۔۳۲۳)

اسی طرح لفظِ زوج کے تعلق سے بھی عمدہ اور پُر مغز بحث کی گئی ہے۔ (دیکھیئے ص ۳۲۳۔۳۴۲ نیز ۲۹۶۔۳۱۲) بعض ابحاث کو کسی نہ کسی پہلو سے مصنف کے امتیازات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ امتیاز بایں طور کہ بالعموم وہ جمہور کے مسلک کے بر خلاف ہیں۔ مثلاً عورت کی نبوت کا مسئلہ۔ مصنف اس مسئلہ کے اثباتی پہلو کے قائل ہیں۔ اسی لیے انہوں نے حضرت مریمؑ کو بھی نبی قرار دیا ہے۔ اور اس ضمن میں متعدد دلائل نیز علماء وفقہاء کے حوالے بھی پیش کیے ہیں۔ (ص ۲۲۲ تا ۲۳۴) تاہم وہ عورت کی رسالت کے منکر ہیں اور اس پر انہوں نے بحث بھی کی ہے کہ عورتوں کو رسول کیوں نہیں بنایا گیا۔ (ص ۲۳۳) یہاں اس امر کا اظہار بے جا نہ ہوگا کہ نبوت و رسالت کے باہمی تلازم پر راقم کا ایک مضمون شائع ہو چکا ہے۔ جس میں متعدد قرآنی دلائل سے اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ نبوت و رسالت، ایک دوسرے کا لازمہ ہیں۔ یعنی ہر نبی لازماً رسول ہوتا ہے اور ہر رسول لازماً نبی۔[۶]، اس لیے راقم کو اس مسئلے پر مصنف سے اختلاف ہے۔

مصنف نے عورت کی نبوت کے لیے لفظ رجل کا سہارا لیا ہے، مصنف کا کہنا ہے کہ یہ لفظ مرد وعورت دونوں کے لیے یکساں استعمال ہوا ہے۔ یقیناً یہ ایک نادر بات ہے۔ (ص ۲۱۶) دیگر اہلِ علم کو بھی اس پر اپنی تحقیقات پیش کرنی چاہئیں۔

........................(۴)........................

نقد ونظر کو تحقیق کی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس پہلو سے یہ کتاب بسا غنیمت ہے۔

۶- دیکھیئے سہ ماہی **التفسیر**، کراچی، جلد نمبر (۱) شمارہ نمبر (۲)(اپریل تا جون ۲۰۰۵ء) بعنوان ''نبی کے صاحبِ کتاب ہونے کی بحث،''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصنف نے بعض نامور علماء پر اپنی تنقیدات پیش کی ہیں۔ جن میں ابنِ کثیرؒ، صاحبِ کشافؒ، امام راغب اصفہانیؒ اور امام طبریؒ وغیرہ شامل ہیں۔ مثلاً اسلوبِ تغلیب کی بحث میں مصنف نے لکھا ہے ۔

''اصولِ فقہ کے بہت سے علماء کی یہ رائے ہے کہ مذکر کے صیغے میں داخل ہونے کے لیے مؤنث کے لیے کوئی قرینہ ہونا چاہیئے......بجائے اس کے کہ وہ یہ بات کہتے کہ جمع مذکر سالم کے صیغوں میں مؤنث کا صیغہ تغلیباً شامل ہوتا ہے اور اس کے خروج کے لیے قرینہ ہونا چاہیئے ۔ انہوں نے اُلٹ بات کہی ہے۔ اس رائے کا عکس ان علماء کی تفسیر میں دیکھا جا سکتا ہے، جہاں عورت کو مرد سے کم تر دکھایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر **ولاتـؤتوا السُّفهاء اموالکم** (النسآء ۴/۵) میں **السُّفهاء** (بیوقوف) کی تفسیر ابن کثیر نے عورتیں اور بچے کی ہے۔'' (ص ۲۷۔۲۸)

o...... **یـوصیـکـم الـلّٰـه فـی اولاد کم للذکر مثل حظ الانثیین** (النسآء ۴/۱۱) (اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔) اس آیت کے ضمن میں مصنف رقمطراز ہے:

'' شریعت میں عورت کے حصے کو اصل تصور کر کے مرد کے حصے کو اس پر محمول کیا گیا ہے۔ اور حصہ کی اضافت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو عبارت یوں ہوتی **لانثـیٰ نـصف الذکـر** ۔یعنی حظّ کی اضافت ذکر کی طرف ہوتی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا حصہ مقرر اور معروف ہے ۔مفتی محمد عبدہٗ کی یہی رائے ہے۔ اس کے برعکس صاحبِ کشاف نے اپنے دماغ میں جمے ہوئے تصور کے تحت اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ مرد کے حصے کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ افضل ہے اور اسی وجہ سے اس کا حصہ دگنا مقرر کیا گیا ہے۔ یہ توجیہہ غیر منطقی ہونے کے علاوہ علم بیان کے اصول کے خلاف ہے۔ کیونکہ مشبہ بہ ، مشبہ سے افضل ہوتا ہے۔ یہ غلطی مفسرین سے سورۃ آلِ عمران کی آیت (۳:۳۶) **ولیـس الـذکـر کالا نثیٰ** کی تفسیر میں سرزد ہوئی ہے۔ لطف کی بات یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ خود صاحبِ کشاف نے آلِ عمران کی آیت کی تفسیر میں اس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جنسی تعصب صاحبِ کشاف کے پائے کے مفسرین کے مُنہ سے بھی کیا کیا باتیں نکلواتا ہے؟" (ص۵۰۱۔۵۰۲)

اس اقتباس میں مفسرین اور صاحبِ کشاف دونوں پر مصنف کا نقد موجود ہے۔

ایک مقام پر مصنف نے لکھا ہے:

"مفسرین کرام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جنسی لذت کے بغیر جنت میں بھی بیوی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ عورت صرف جسم ہے دماغ نہیں، اس لذت کے بغیر ان کا ساتھ ممکن ہی نہیں۔ اس سلسلے میں عورت کے بارے میں مفسرین کی سوچ کا ایک نمونہ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، وہ کوئی چھوٹے موٹے مفسر نہیں، بلکہ بلند پایہ مفسر اور فلسفی امام رازی ہیں۔ وہ سورۂ روم کی آیت (۳۰۔۲۱) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔ **خلق لکم** (تمہارے لیے پیدا کیا)اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کو جانوروں اور نباتات کی فائدہ مند چیزوں کی طرح پیدا کیا گیا ہے......امام صاحب نے تو عورت کو انسانوں کی صف سے نکال کر ڈھور ڈنگروں کی صف میں شامل کردیا ہے۔" (ص ۳۲۶۔۳۲۷)

.......................(۵).......................

o...... کہیں کہیں مصنف کا نقد، راقم کو صحیح نظر نہیں آیا۔ مثلاً امام رازیؒ پر ایک شعر کے حوالے سے جو نقد کیا گیا ہے (ص۵۰۲) وہ راقم کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔انہوں نے المرء کے معنیٰ کی تعیین لفظ انسان سے کی ہے۔ انسان کا لفظ مرد وعورت ہر دو پر بولا جاتا ہے۔مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ ذو معنی الفاظ میں معنیٰ کا تعین سیاقِ عبارت سے طے ہوتا ہے۔ اس لیے المرء کا معنی بے شک انسان ہی ہے۔ مگر یہاں معنیٰ کا تعین سیاقِ عبارت سے متعین ہوگا۔چونکہ ما قبل عبارت میں عورت کا ذکرآیا ہے اس لیے شعر میں المرء کا مطلب عورت ہی سمجھا جائے گا نہ کہ مرد۔ اور ایسا سمجھنا ازروئے عقل کوئی غلط بھی نہیں ہے۔

o...... **ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم۔** (تغابن ۶۴/۱۴:) بالعموم اس کا ترجمہ کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے۔ ’’تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں۔ اس لیے ان سے ہوشیار رہو۔‘‘ (۷)

اس طرح کے ترجمے پر مصنف کا نقد یہ ہے:

’’ ظاہر ہے کہ ازواج کا ترجمہ بیویاں کرنے سے عورت کے خلاف قرآن کی ایک نـــصّ ہاتھ آ جاتی ہے۔ اس لیے اسی ترجمے میں عافیت سمجھی گئی ہے۔ امام طبری نے اس سلسلے میں روایت نقل کی ہے۔ اگر کوئی آدمی مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا ارادہ کرتا تو اس کے بیوی بچے اسے روکتے اور اس کی ہمت توڑتے ۔ سورۂ تغابن مکی سورۃ ہے۔ اس لیے ہجرت سے روکنے والی روایت غیر مستند ہے۔ کاش امام طبری وہ روایات بھی بیان کر دیتے، جن میں بیویاں اسلام کی خاطر، اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت کر گئیں۔ اب آتے ہیں۔ ترجمہ کی طرف۔ خطاب سب اہلِ ایمان سے ہے۔ جس میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔ چنانچہ ازواج کا ترجمہ جوڑے اور ساتھی کیا جائے گا۔ اور صحیح ترجمہ یہ ہوگا۔’’ اے اہلِ ایمان! تمہارے بعض جوڑے یا ساتھی اور تمہاری اولاد (لڑکوں اور لڑکیوں سمیت) تمہارے دشمن ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا۔‘‘(ص۳۳۰)

اس اقتباس میں مصنف کا نقد، امام طبری پر بالکل واضح ہے۔

o...... کیا مؤنث گھٹیا ہوتی ہے؟ کے زیرِ عنوان مصنف نے لکھا ہے:

’’حسن سے روایت ہے کہ جن چیزوں میں روح نہ ہو ان کو اناث کہا جاتا تھا۔ امام راغب نے بھی اُناث سے مراد جمادات ہی لیے ہیں۔ کیونکہ ان میں صرف قوتِ منفعلہ (یعنی دوسرے کا اثر قبول کرنا) ہوتی ہے۔ اور وہ قوتِ فاعلہ سے محروم ہوتے ہیں۔

لغتِ قرآن کے بارے میں امام راغب کا مرتبہ اور مقام مسلّم ہے۔ مگر

۷- **توضیح القرآن**، تقی عثمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مؤنث کو جمادات قرار دینا قرآنی فکر کے منافی ہے۔ اپنے سماجی رویوں کے زیرِ اثر بعض مفسرین نے اس آیت کی غلط تفسیر کی ہے۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں عورت کے بارے میں بہت ہی گھناؤنا تصور پیش کیا ہے۔'' (ص ۱۷۶)

مذکورہ بالا اقتباس میں مصنف نے جہاں امام راغب اصفہانی پر تنقید کی ہے وہیں امام طبری اور امام رازی پر بھی نقد کیا ہے۔

o ...... مسلمانوں کے مجموعی رویوں بالخصوص مذہبی پیشواؤں پر تنقید کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ :

''آج بھی ہم ابنِ خلدون اور ابنِ سینا، جابر بن حیان ، زہراوی، ادریسی اور اصطخری جیسے علماء کا نام فخر سے لیتے ہیں، اور جب بھی کوئی دریافت ہوتی ہے تو اسے ان علماء کی طرف منسوب کرتے ہیں، یا قرآن کی کسی آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کسی مسلمان صاحبِ علم نے اس کو دریافت کیوں نہ کیا؟ علم کو مذہبی حدود میں محدود کرنا سراسر زیادتی ہے۔ ہمارے وہ مذہبی پیشوا، جو عصری علوم سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اور دینی علوم میں وہ تقلید سے آگے نہیں بڑھتے۔ ان پر علماء کا لیبل چسپاں کیا جاتا ہے۔ اس حالت میں اللہ کے وعدہ کی پورا ہونے کی توقع کرنا، احمقوں کی جنت میں بسنا ہے۔ علم کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر کتاب و سنت سے صریحاً متصادم ہے۔'' (ص۳۵۹)

o ...... **لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان** (الرحمٰن/۵۶۔۷۶)

جنہیں پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے چھوا ہے۔

اس کے تحت مصنف نے لکھا ہے۔'' مفسرین نے یہاں پر ایک بےمحل بحث چھیڑ دی کہ آیا جنّ عورتوں سے جماع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ...... یہاں یہ بحث طمث کے لغوی معنوں کی وجہ سے چھیڑی گئی ہے۔ حالانکہ اس کے عام معنیٰ چھونا ہی ہیں۔ یہاں صرف اسی قدر ہے کہ کوئی مخلوق خواہ جن ہو یا انس ، ان کے پاس پھٹکی نہ ہوگی۔'' (ص ۲۶۸)

مصنف کا یہ کہنا کہ'' مفسرین نے یہاں پر ایک بےمحل بحث چھیڑ دی۔'' بجائے خود بےمحل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ طــمــث کا معنیٰ تو چھونا ہی ہے۔ مگر عورتوں کے تعلق سے یہ صحبت اور جماع کے لیے بطور کنایہ کے استعمال ہوتا ہے۔ طـمـث المراۃ کے معنیٰ ہوتے ہیں۔ اس نے اس عورت کی بکارت زائل کر دی۔[۸]، اور بعض اہلِ لغت تو اس کے معنیٰ ہی عام جماع کرنے کے لیتے ہیں۔ اس لیے ازروئے لغت اس بحث کو بے محل قرار دیا جا سکتا ہے نہ ازروئے عبارت۔ کیونکہ اس میں انس و جنّ دونوں کا بیان ہے۔ اس لیے جن کے تعلق سے بھی یہ بحث برمحل اور موزوں نظر آتی ہے۔

o...... مصنف کے ہاں لــواطت کے لفظ کا استعمال بایں عبارت موجود ہے۔''قرآن کریم کا قول ہے کہ قوم لوط ایک برائی کا ارتکاب نہیں کرتی تھی بلکہ کئی برائیوں کی مرتکب تھی یعنی لواطت ۔کئی برائیوں کا مجموعہ ہے۔'' (ص۔۲۵۶)اس عبارت پر راقم کا نقد یہ ہے کہ لفظ لواطت کی نسبت حضرت لوط علیہ السلام جیسے پیغمبر کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے۔مشہور لغت Lexicon کے صفحہ نمبر ۹۹۲ پر ہم جنس پرستی کی اس بدکاری کو Sodomy کے لفظ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت لوط ؑ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ وہ قوم سدوم اورعمورہ نامی بستیوں میں رہتی تھی۔[۹]، اسی قوم میں بحیثیت مجموعی یہ لت سب سے پہلے پڑی کہ اس نے امرد پرستی کو بطور قومی تہذیب کے اختیار کر لیا۔ قرآن مجید نے یہ حقیقت مختلف مقامات پر واشگاف کر دی ہے۔[۱۰]، اس لیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے بجائے لواطت کے سدومیت کا لفظ استعمال کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ دوسرا نقد یہ کہ مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ''لواطت کئی برائیوں کا مجموعہ ہے ۔'' یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لواطت کا مفہوم سوائے مردانہ ہم جنس پرستی (امرد پرستی) کے کچھ اور نہیں ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ قومِ لوط میں دیگر مفاسد بھی موجود تھے۔ مگر ان مفاسد کو کسی نے لواطت سے تعبیر نہیں کیا۔ نیز خود مصنف نے بھی اگلے جملے میں لکھ دیا ہے کہ'' سائنسی تحقیق نے ایڈز جیسے موذی مرض کو بھی اس غیر فطری فعل کا نتیجہ قرار دیا ہے۔'' (ص ۲۵۶) اس جملے سے (بقولِ مصنف) خود لواطت کا معنیٰ متعین ہو گیا ہے۔

o ...... مصنف نے تعدد ازدواج کے نقصانات کے زیرِ عنوان لکھا ہے۔'' عدل کی شرط کو اگر سورۂ النسآء کی آیت نمبر ۱۳۹ یعنی لن تستطیعوا ان تعدلوا کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو دونوں آیات کے مجموعے

۸- **المفردات فی غریب القرآن**، امام راغب اصفہانی

۹- بائبل، **کتابِ پیدائش**، باب نمبر ۱۳، آیت نمبر ۱۳

۱۰- سورۂ عنکبوت ، آیت نمبر ۲۷۔۳۸، سورۂ الاعراف آیت نمبر ۸۰۔۸۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کسی نہ کسی طرح تعددِ ازدواج کے خلاف نتیجہ نکلتا ہے یا کم از کم اس سے تعدد کا دائرہ بہت تنگ ہو جاتا ہے۔'' (ص۔۵۵۵)

تعدد ازدواج کی اجازت قرآن کریم میں بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اس تعدد کی علّت کے پیشِ نظر یقیناً یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسلام تعددِ ازواج کا مخالف ہرگز نہیں اور نہ ہی اس اجازت میں کسی قسم کا کوئی نقصان مضمر ہے۔ بلکہ قرآنی حکمتوں سے مجرد اگر فقط زوجۂ واحدہ پر ہی انحصار ہو تو کیا کوئی ضمانت دے سکتا ہے کہ یک زوجگی کا اصول نقصانات سے پاک ہوگا اور نقصان تو صرف تعدد ازدواج میں ہی ہے۔ ایسا اندازِ فکر اختیار کرنا خود قرآنی مطلوبات اور اس کے مقاصد کے خلاف ہے۔ یعنی ایک طرف تو اللہ نے تعدد کی اجازت دے دی، اور دوسری طرف خود اپنی اجازت کو نقصانات سے بھر دیا۔ اس مسئلہ پر راقم کے خیال میں مصنف کو نظرثانی کی ضرورت ہے۔

o ...... اسی طرح مصنف کے ہاں لفظ سوت کا استعمال بھی ملتا ہے۔ مصنف رقمطراز ہے۔'' سوت بچوں میں بغض و عناد کا بیج بوتی ہے۔''(ص ۵۵۶) راقم نے '' زوج اور سوت ...... دو متقابل اصطلاحیں'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا ہے۔[۱۱]، جس کا حاصل یہ نکالا ہے کہ سوت کا لفظ ہمارے مذہبی ذخیرے میں غلطی سے شامل ہوگیا ہے۔ یہ ہندی کلچر کا لفظ ہے، جو اپنے مالہ وما علیہ کے ساتھ سمجھا اور بولا جاتا ہے۔اس لفظ کا ہمارے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں اس لفظ کا استعمال بند کر دینا چاہیے۔'' (تفصیل کے طالبین مضمون ملاحظہ فرمائیں)

..................(۶)..................

اور اب کچھ اشارے اردو املاء کی تصحیح کے تعلق سے ملاحظہ ہوں جسے مصنف کے علمی مرتبے کے پیشِ نظر سہوِ کتابت پر محمول کیا جاتا ہے۔

'' ......تو انہوں نے ایک گھرانے کا پتہ بتانے کی حامی بھری ......'' (ص ۳۹)

عبارت میں مطلوب صحیح لفظ ہامی ہے۔ جس کا معنیٰ ہے اقرار ، اثبات، ہاں اور حامی کا معنیٰ ہے، حمایتی، مددگار، نگہبان، جو یہاں مطلوب نہیں ہے۔

اسی طرح یہ عبادت بھی دیکھیے:

۱۱- سہ ماہی **التفسیر**، کراچی، جلد۲، شمارہ نمبر۴، (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

’’**عبد یعبد** (ن) ذلیل ہونا، مطیع ہونا، انکساری کرنا، اس کی مصدر زیادہ تر عبادۃ ہے۔‘‘ (ص۳۶۴)

اس عبارت میں مصدر کو مؤنث لکھا گیا ہے۔ حالانکہ مصدر مذکر ہے۔ صحیح عبارت یوں ہے۔ اس کا زیادہ تر عبادت ہے۔

اسی طرح ملاحظہ کیجئے۔

’’......ایڈز جیسی موذی مرض جنم لیتی ہے۔‘‘ (ص۲۵۴)

ایڈز، مذکر ہے۔ اس کے ساتھ جیسا آئے گا، اور مرض بھی مذکر ہے، اس کے ساتھ لیتا آئے گا۔ صحیح عبارت یہ ہوگی۔ ایڈز جیسا موذی مرض جنم لیتا ہے۔

’’**فبث منهما رجالاً کثیرا ونسآء.**‘‘ (ص۳۱۳)

آیت میں فبث نہیں، وبث ہے۔

اور آخر میں عرض ہے کہ مصنف کی کتاب کثرتِ حوالہ جات سے مملو ہے۔ کوئی صفحہ ایسا نہیں، جس میں متعدد حوالے موجود نہ ہوں۔ مگر اس کے باوجود راقم کو یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ مصنف نے جدید تحقیقی اسلوب اختیار نہیں کیا ہے۔ کتاب میں تفسیر و لغت کی متعدد کتابوں سے طول طویل عبارات نقل کی گئی ہیں۔ مگر چونکہ حوالہ دیتے وقت واوین کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔اس لیے معلوم نہیں ہو پاتا کہ ان عبارات میں مصنفِ کتاب کا حصہ کتنا ہے اورمحوّلہ کتاب کا کتنا؟ اس طرح قاری اول سے آخر تک خلطِ مبحث کا شکار رہتا ہے۔ مگر ان کمزوریوں کے باوجود یہ ایک علمی کتاب ہے۔ اور مصنف بلاشبہ اس امر کے سزاوار ہیں کہ انہیں دلی مبارک باد پیش کی جائے۔

© rasailojaraid.com